Urdu Scholars Ki Duniya- International Refereed Journal for Urdu ISSN 2320-5369, EISSN 2320-8910
IF: Cosmos Impact Factor: 3.527 IF: Global Impact Factor: 0.383

'دیوان غالب نسخۂ عرشی' کی تدوین میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی کا طریقِ کار

عبدالرازق
ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، (یوپی)۔ انڈیا

مولانا امتیاز علی خاں عرشی (۱۹۰۴ء۔۱۹۸۱ء) جدید تحقیق وتدوین کے بنیاد گزاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ مولانا ۱۹۳۳ء میں رام پور کی رضا لائبریری کے ناظم مقرر ہوئے۔ انھوں نے وہاں موجود نادر علمی خزانے سے بھرپور استفادہ کیا اور مختلف تاریخی وادبی حیثیت کی حامل کتابوں کو تصحیح وتحشیہ اور اپنے عالمانہ مقدمے کے ساتھ منظر عام پر لائے۔ مولانا اگرچہ شاعر بھی تھے اور اپنے ماموں کے ساتھ مشاعروں میں شرکت بھی کرتے تھے لیکن انھوں نے اس کو اپنا مشغلہ نہیں بنایا یہاں تک کہ اپنے کلام کو شائع کرانا بھی مناسب نہ سمجھا۔ مولانا کی اصل پہچان اور ان کی اصل دلچسپی اس بات میں تھی کہ کسی نادر علمی خزانے کی تحقیق کی جائے اور اس کو خاص وعام کے استفادے کے لیے منظرِ عام پر لایا جائے۔ انھوں نے غالبؔ سے متعلق بہت سے تحقیقی کام کیے۔ جیسے ''مکاتیبِ غالب'' (۱۹۳۷ء)، ''فرہنگِ غالب'' (۱۹۴۷ء)، ''انتخابِ غالب'' اور ''دیوانِ غالب نسخۂ عرشی'' وغیرہ یہی وجہ ہے کہ ان کا شمار ماہرین غالبیات میں بھی کیا جاتا ہے۔ غالبیات کے علاوہ انھوں نے دوسری کتابوں کی بھی تدوین کی ہے۔ ان میں ''دستور الفصاحت'' مصنفہ احد علی خاں یکتاؔ لکھنوی، ''تاریخ اکبری'' مصنفہ عرفان سمرقندی قابل ذکر ہیں۔

''دستورالفصاحت'' سید احد علی خاں یکتاؔ کی تصنیف ہے اور مولانا عرشی کے مطابق یہ کتاب انشاء اللہ خاں انشاؔء کی ''دریائے لطافت'' (۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء) سے قبل ہی مکمل ہو چکی تھی لیکن اشاعت کے اسباب کی معدومی کے باعث زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکی۔ جب یہ کتاب رامپور کی لائبریری کے لیے مخطوطے کی شکل میں خریدی گئی اور مولانا نے اس کے مطالعے کے بعد اس کی اہمیت کو جانا تو تصحیح وترتیب کو ضروری سمجھا چنانچہ یہ کتاب ۱۹۴۳ء میں مولانا کے مقدمۂ بسیطہ اور حواشیِ مفیدہ کے ساتھ منظرِ عام پر آئی۔

اس کتاب کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ گئی کیونکہ مولانا نے اس کے مقدمے میں اپنے طریقِ کار کے ضمن میں تدوین کے اصول بیان کیے ہیں جو کہ اردو تدوین میں اساس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نیز مولانا نے اپنے دیباچے میں ''مآخذ حواشی'' کے عنوان سے کتابِ مذکور کے حواشی کی ترتیب میں ماخوذ عنہ کتابوں کا تعارف کرایا ہے جن میں اکثریت تذکروں کی ہے۔ مولانا کے اس کام کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد تذکروں پر کام کرنے والے تمام حضرات کے لیے یہ دیباچہ نشانِ راہ ثابت ہوا ہے اور لوگ اس کتاب سے زیادہ اس کے دیباچے کی اہمیت کے قائل نظر آتے ہیں۔

غالبیات کے سلسلے میں مولانا کی خدمات میں سے جن چار تصانیف کا ذکر اوپر کیا گیا اس اعتراف کے ساتھ کہ وہ تمام ہی تصانیف اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں کیونکہ ان سب میں مولانا نے اپنی علمی کاوشوں اور اصول تدوین کا مکمل نمونہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ البتہ ان کی آخر الذکر تصنیف ''دیوانِ غالب نسخۂ عرشی'' ان کا وہ کارنامہ ہے جو اکیلا ہی تمام تصانیف کی ہمسری کرتا ہے، جس کو انجمن ترقی اردو (ہند) نے ۱۹۵۸ء میں پہلی بار اور ۱۹۸۲ء میں دوسری بار شائع کیا۔ دیوانِ غالب کا یہ اندازِ ترتیب کسی اور کے یہاں نہیں ملتا۔ اس سے آگے بڑھ کر اگر یہ کہا جائے کہ یہ اندازِ ترتیب کسی بھی دوسرے شاعر کے حصے میں نہیں آیا تو مبالغہ نہ ہوگا۔ غالب اردو کے خوش قسمت شاعر شمار کیے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی شاعری اور نثر پر جتنا تحقیقی کام ہوا ہے اتنا کسی اور کے اوپر نہیں ہوا۔ ان کی یہ بھی خوش نصیبی ہے کہ ان کے کلام کی تدوین مولانا عرشی نے کی ہے۔

مولانا کے مرتب کردہ دیوان کی سب سے بڑی اور پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انھوں نے اس وقت تک دستیاب غالب کے متداول اور غیر متداول تمام کلام کو یکجا کر دیا ہے۔ مولانا نے اس نسخے میں غالب کے کلام کو تین عنوانات کے تحت جمع کیا ہے:

(۱) گنجینۂ معنی

(۲) نوائے سروش

(۳) یادگار نالہ

ان میں سے اول الذکر حصے میں غالب کے ابتدائی زمانے کا کلام ہے جس کو غالب نے دیوان مرتب کرتے وقت نہیں چھپوایا تھا۔ ثانی الذکر میں غالب کا وہ کلام ہے جو متداول ہے اور جس کو غالب نے اپنی حیات میں ہی چھپوا کر تقسیم کیا تھا اور آخر الذکر حصے میں وہ کلام ہے جو مختلف اخبارات، رسائل اور خطوط میں شائع ہوا لیکن وہ دیوانِ کلام متداول کا حصہ نہ تھا۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس نسخے میں مولانا نے کلام کو جمع کرنے میں تاریخی ترتیب کا لحاظ رکھا ہے جیسا کہ ماقبل میں مذکور تفصیل سے معلوم ہوتا ہے اور یہ اس نوعیت کا پہلا، منفرد اور کامیاب تجربہ ہے۔ اگر چہ اس سے قبل بھی اس طرح کی کوششیں ہوئی تھیں لیکن وہ نامکمل رہی تھیں۔ ڈاکٹر عبداللطیف نے غالب کے جملہ کلام کو تاریخی ترتیب کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر ان کے تیار کیے ہوئے مواد کا صرف نصف حصہ ہی منصۂ شہود پر آسکا۔ اس کے علاوہ شیخ اکرام نے ''غالب نامہ'' اور ''ارمغانِ غالب'' میں یہ کوشش کی لیکن یہ بھی نامکمل رہی۔

تیسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں غالب کے کلام کو غالب کی منشا کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو کہ تدوین کا پہلا اصول بھی ہے ۔مولانا نے خود اپنے مقدمے میں صراحت کی ہے کہ املا اور رسم الخط کے معاملے میں موجودہ اصول اور غالب کے اختیار کردہ اصول دونوں سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً غالب کا یہ اصول مشہور ہے کہ وہ 'خورشید' کو بحذف الواو یعنی 'خُر شید' لکھتے تھے چنانچہ مولانا نے بھی اس نسخے میں 'خُر شید' ہی لکھا ہے۔ مثلاً نسخۂ عرشی حصۂ قصائد میں صفحہ نمبر ۷ کے پہلے شعر میں لفظ 'خورشید' آیا ہے اور اُس کو مولانا نے 'خُر شید' لکھا ہے۔ شعر اس طرح ہے:

درست اس سلسلۂ ناز کے، جوں سنبل وگل
ابرِ میخانہ کریں ساغرِ خُر شید شکار (۱)

اسی طرح غالب فارسی واردو الفاظ میں 'ذ' لکھنا غلط قرار دیتے تھے اور اس کی جگہ 'ز' لکھتے تھے مثلاً زرا، گزر، رہگزر، گزارش وغیرہ۔ چنانچہ نسخۂ عرشی میں ان جیسے الفاظ غالب کی منشا کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ غالبؔ 'ہائے مختفی' (ہ) پر ختم ہونے والے الفاظ کو محرف صورت میں ''ے'' کے ساتھ لکھتے تھے مثلاً 'رتبہ' کو 'رتبے'، 'کوچہ' کو 'کوچے' اور 'زمانہ' کو 'زمانے' وغیرہ۔ یہ تمام وہ مثالیں ہیں جن کے اس طرح کے املا پر غالبؔ اصرار کرتے تھے اور مولانا نے ان کا ہی خیال رکھا ہے، لیکن بعض مقامات پر موجودہ دور کے املا کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے جیسے پچھتاتا اور اس جیسے الفاظ میں غالب 'ہائے مخلوط' (ھ) کو حذف کر کے صرف 'چ' لکھتے تھے جیسے 'پچتاتا'، 'پچتایا' اور 'پچتاوا' وغیرہ یا اس کے برعکس 'تڑپنا'، 'تڑپتا' اور 'تڑپا' میں غالب 'پ' کے ساتھ ہائے مخلوط کا اضافہ کرتے تھے اور اس طرح لکھتے 'تڑپھنا'، 'تڑپھتا' اور 'تڑپھا' وغیرہ۔ مولانا نے ان الفاظ کو لکھنے میں رائج الوقت رسم الخط کا لحاظ کرتے ہوئے 'پچھتانا' اور 'تڑپنا' لکھا ہے۔

اس نسخے کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اگر غالب کے کسی شعر یا غزل کی تشریح خود غالب کے الفاظ میں دستیاب ہوگئی ہے تو اس کو بھی پیش کر دیا گیا ہے اور اس کے لیے باقاعدہ ایک عنوان ''شرحِ غالب'' کے نام سے قائم کیا ہے یعنی شرحِ کلامِ غالب بالفاظِ غالب۔ تشریحِ شعر کے علاوہ اگر کسی شعر کے سلسلے میں اس کا سببِ تحریر بھی معلوم ہوگیا ہے تو انھوں نے اس کو بھی پیش کر دیا ہے دونوں جزئیات کی ایک ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے۔ غالب کے متداول دیوان اور اس نسخے کے حصۂ دوم ''نوائے سروش'' کی پہلی غزل کا پہلا شعر ہے:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا؟

کاغذی ہے، پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا (۲)

مولانا عرشی نے 'عودِ ہندی' کے ایک خط کے حوالے سے اس شعر کی تشریح اس طرح نقل کی ہے:

''ایران میں رسم ہے کہ دادخواہ کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے، جیسے مشعل دن کو جلانا، یا خون آلود کپڑا بانس پر لٹکا کر لے جانا'' (۳)

دوسرے جزیئے کی مثال یہ ہے کہ ایک شعر ہے جس کے کہنے کا سبب خود غالب نے میر مہدی مجروح کو لکھا ہے اور وہ خط 'اردوئے معلیٰ' ص ۱۸۳، 'عودِ ہندی' ص ۹۳، 'خطوطِ غالب': ج ا، ص ۲۵۵ میں شامل ہے۔ مولانا نے اس خط کو بھی اس شعر کے حوالے سے نقل کر دیا ہے۔ شعر اس طرح ہے:

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو، پھر ہم کو کیا؟

آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

میرزا غالب لکھتے ہیں:

''نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵ ر دسمبر کو یہاں داخل ہوں گے دیکھیے کہاں اترتے ہیں اور کیونکر دربار کرتے ہیں؟ رہے دربارِ عام والے، مہاجن لوگ سب موجود۔ اہل اسلام میں سے صرف تین آدمی باقی ہیں۔ میرٹھ میں مصطفیٰ خاں، سلطان جی میں مولوی صدرالدین خاں، بلّی ماروں میں سگِ دنیا موسوم بہ اسد۔ تینوں مردود و مطرود و محروم و مغموم۔ بیت:

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا؟

آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے (۴)

اس طرح کی دیگر مثالیں بھی موجود ہیں جن میں غالب نے خود اپنے اشعار کا مفہوم یا وجہِ تحریر کسی کے نام خط میں لکھی ہے۔ اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مولانا عرشی نے ان کے مفہوم تک رسائی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس شعر کی تاریخی اور زمانی ترتیب کا بھی اندازہ لگایا اور اس کو بروئے کار لائے۔

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ مولانا نے تاریخی ترتیب کو قائم رکھنے کے لیے اور ان کا پتا لگانے کے لیے ان تضمینات کے بارے میں تلاش و جستجو کی جو غالب کے کلام پر کی گئیں اور ان سے اس سلسلے میں مدد حاصل کی مثلاً کسی تضمین کو دیکھ کر یہ معلوم ہوا کہ یہ غالب کی فلاں غزل پر ہے اور اس کا زمانۂ تحریر یہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ جس غزل پر وہ تضمین ہوئی ہے یقیناً وہ غزل اس تضمین سے قبل کہی گئی ہوگی۔ لہٰذا تلاشِ تضمین بر کلامِ غالب بھی زیرِ بحث کتاب کا اہم خاصہ ہے۔

چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کسی غزل یا شعر میں بیان کردہ مضمون یا موضوع کسی دوسری غزل یا شعر میں بھی بیان کیا گیا ہو خواہ وہ فارسی کلام میں ہو یا اردو میں، حاشیے میں ''نیز ملاحظہ ہو'' کی سُرخی کے تحت وہ دوسرا شعر بھی نقل کر دیا گیا ہے۔ اس کی مثال درجِ ذیل ہے:

'نوائے سروش' صفحہ نمبر ۲۳۱ پر دوسرا شعر ہے:

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت

یہی نقشہ ہے، ولے اس قدر آباد نہیں

حاشیے میں اسی مضمون کا دوسرا شعر اس طرح نقل کیا گیا ہے:

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی!

گھر ترا، خلد میں گر، یاد آیا (۵)

مذکورہ بالا دونوں اشعار میں مناسبت اور ان کا مختصر مفہوم یہ ہے کہ ان میں کوچۂ یار کو جنت سے برتر قرار دینے کی کوشش کی ہے نیز اس بات کا بھی بیان

ہے کہ آخرت کی تمام عیش وعشرت کے باوجود محبوب کی یاد دل سے نہیں جاتی۔

عرشی صاحب نے متن کو نقل کرنے میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ہر غزل پر نمبر ڈالے ہیں پھر اس نمبر کے نیچے اس نسخے کی/ ان نسخوں کی علامت بنائی ہے جن سے وہ غزل نقل کی گئی ہے۔ صفحے میں ہر پانچویں شعر پر نمبر ڈالا ہے۔ حاشیہ لکھنے کے لیے انھوں نے 'الف' اور 'ب' کی علامات قائم کی ہیں۔ 'الف' سے مراد مصرعۂ اول ہے اور 'ب' سے مراد مصرعۂ ثانی ہے۔ چنانچہ اگر مصرعۂ اولیٰ میں کوئی اختلاف یا وضاحت طلب بات ہو تو اس کو 'الف' کے ذیل میں لکھتے ہیں اور اگر مصرعۂ ثانی میں ہے تو اس کو 'ب' کے تحت لکھا ہے۔ جیسے 'گنجینۂ معنی' میں صفحہ نمبر ۸۹/ پر سب سے چوتھا شعر ہے:

شوخیِ اظہار غیر از وحشتِ مجنوں نہیں

لیلیِ معنی، اسؔد، محمل نشینِ راز ہے (۶)

حاشیے میں شعر نمبر ۴/ڈالا ہے کیونکہ یہ اس صفحے کا چوتھا شعر ہے پھر چونکہ حاشیہ مصرعۂ اول اور مصرعۂ ثانی دونوں پر ہے اس لیے پہلے مصرعۂ اول کا اختلاف بیان کرنے کے لیے 'الف' کی علامت بنائی ہے۔ اس کے بعد نسخوں کا اختلاف نقل کیا ہے کہ 'نسخۂ ''ق'' میں عبارت اس طرح ہے'' کو جز وحشت مجنوں اسد'۔ اسی طرح مصرعۂ ثانی کے اختلاف کو بیان کرنے کے لیے 'ب' کی علامت بنائی ہے۔ اس کے بعد نسخوں کا اختلاف نقل کیا ہے کہ نسخۂ 'ق' اور 'ح' میں ''بسکہ لیلائے سخن'' لکھا ہے۔

مقدمے میں موجود صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ 'ق' سے نسخۂ بھوپال اور 'ح' سے نسخۂ حمیدیہ اول مراد ہے۔ گویا عرشی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نسخۂ بھوپال میں شعر کی صورت اس طرح سے ہے:

شوخیِ اظہار کو جز وحشتِ مجنوں اسؔد

بسکہ لیلائے سخن محمل نشینِ راز ہے

اور مصرعۂ ثانی کا اختلاف نسخۂ بھوپال کے ساتھ ساتھ نسخۂ حمیدیہ اول میں بھی موجود ہے۔

نسخۂ عرشی کے آخر میں عرشی صاحب نے ''فہرستِ اشعار'' دی ہے جس کے ذریعے سے غالب کی کوئی بھی غزل جو اس نسخے میں موجود ہو حروفِ تہجی کی ترتیب سے دیکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً اگر غزل یا شعر کی ردیف 'الف' پر ختم ہو رہی ہو تو 'الف' کی ردیف میں دیکھیں گے۔ اور اگر دو غزلوں کی ردیف مماثل ہو تو ردیف سے پہلے والے لفظ کو دیکھیں گے کہ کیا ہے اور اس طرح غزل کی تلاش کریں گے اس میں صفحہ نمبر اور شعر نمبر کی نشان دہی کر دی گئی ہے کہ یہ غزل کس صفحے پر اور کتنے نمبر شعر سے شروع ہو رہی ہے۔

''فہرست اشعار'' کے بعد تین اشاریے ہیں۔ پہلے اشاریے میں اشخاص، اقوام اور فرقوں کے متعلق وضاحتیں ہیں۔ دوسرے اشاریے میں مقامات کا ذکر ہے اور تیسرے اشاریے میں کتب و رسائل کا ذکر ہے۔

اخیر میں اس بات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نسخۂ عرشی کی اشاعت ثانی میں درج بالا تین حصوں ''گنجینۂ معنی''، ''نوائے سروش'' اور ''یادگارِ نالہ'' کے علاوہ ایک چوتھا حصہ ''بادآورد'' کے نام سے شامل ہے۔ اس حصے میں غالب کا وہ کلام ہے جو غالب صدی تقریبات کے موقع پر ۱۹۶۹ء میں دستیاب ہوا تھا۔ اکبر علی خاں عرشی زادہ نے اس حصے سے قبل اپنی تمہیدی تحریر میں لکھا ہے کہ اس حصے کی دستیابی کے وقت نسخۂ عرشی اشاعت ثانی کے لیے پریس میں جا چکا تھا اور اس کا اکثر حصہ چھپ بھی چکا تھا اس لیے اس حصے کے کلام کو اصل متن میں اس کی ترتیب سے شامل کرنے کی بجائے علاحدہ سے شامل کر دیا گیا ہے۔ عرشی زادہ کی اس گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حصہ مولانا عرشی کے صاحب زادے اکبر علی خاں عرشی زادؔہ نے شامل کیا ہے اور اس حصے پر مولانا نے کوئی نظر نہیں ڈالی ہے۔ مقدمے میں اس نسخے کا تعارف بھی عرشی زادؔہ نے ہی پیش کیا ہے اور اس بات کی وضاحت نہ ہونے سے یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ شاید اس نسخے کا تعارف بھی مولانا عرشی نے ہی پیش کیا ہے اور یہ اشاعت مولانا کی نظر سے گذری ہے حالانکہ یہ امر خلافِ واقعہ کیونکہ جس وقت یہ حصہ ترتیب دیا جا رہا تھا اس وقت مولانا بستر

علالت پر تھے اوراس کو دیکھ نہیں سکے تھے۔

خلاصہ یہ کہ نسخۂ عرشی اپنی گونا گوں خصوصیات کی بنا پر دیوانِ غالب کی دیگر اشاعتوں کے بالمقابل امتیازی حیثیت کا حامل ہے جو کہ ادب کے قارئین کے لیے بالعموم اور غالبیات سے شغف رکھنے والوں کے لیے بالخصوص ایک قابل اعتماد ماخذ ہے۔ یہ نسخہ فنِ تدوین کا ایک مکمل نمونہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس کی دو اشاعتوں کے بعد تیسری اشاعت نہیں ہوسکی جس کی وجہ سے یہ شاہ کار گم گشتۂ تاریخ ہوتا جارہا ہے۔ مارکیٹ میں تو اس کے نسخے دستیاب ہے نہیں اور جو نسخے لائبریریوں میں موجود ہیں وہ بھی خستگی اور بوسیدہ حالی کی طرف جارہے ہیں۔ ابھی چند ایام قبل یہ اطلاع ملی تھی کہ انجمن نے اس کی کمپوزنگ کرالی اور اب پروف ریڈنگ کی جارہی ہے۔ اگر یہ بات مبنی برصداقت ہے تو یہ بہت ہی خوش آئند اطلاع ہے۔ انجمن سے ایک گذارش پر اپنے اس مضمون کو ختم کرنا چاہوں گا کہ جب اس کی از سرِ نو اشاعت عمل میں لائی جارہی ہے تو اگر اس بات کی وضاحت شامل کردی جائے کہ اس نسخے میں کتنا حصہ مولانا عرشی کا ہے اور کتنا عرشی زادہ کا تو اس سے وہ اشتباہ کی صورت باقی نہیں رہے گی جو موجودہ نسخے کی اشاعت ثانی میں ہے۔ گرقبول افتد زہے عز و شرف۔

حواشی:

۱۔ دیوان غالب نسخۂ عرشی۔ حصۂ قصائد ص ۷۔ اشاعت دوم۔ ۱۹۸۲ء

۲۔ دیوان غالب نسخۂ عرشی۔ حصہ: نوائے سروش۔ ص ۱۴۲۔ اشاعت اول۔ ۱۹۵۸ء۔

۳۔ دیوان غالب نسخۂ عرشی۔ حصہ: شرح غالب۔ ص ۳۱۷۔ اشاعت اول ۱۹۵۸ء۔

۴۔ دیوان غالب نسخۂ عرشی۔ حصہ: شرح غالب۔ ص ۳۱۹۔ اشاعت اول۔ ۱۹۵۸ء۔

۵۔ دیوان غالب نسخۂ عرشی۔ حصہ: نوائے سروش۔ ص ۲۳۱۔ اشاعت دوم۔ ۱۹۸۲ء۔

۶۔ دیوان غالب نسخۂ عرشی۔ حصہ: گنجینۂ معنی۔ ص ۸۹۔ اشاعت دوم۔ ۱۹۸۲ء۔

☆☆☆